آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ فروری ۱۹۰۸ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عا

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۸ء - دُہ بدیہ خسرو یم شد بلند، زلزلہ در گورِ نظامی فگند - (۲) اِنّی معک اینما تذہب تسیر - ۲- جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک - (۲) انّی معک فی کل حالٍ - و عند کل مقال - (۳) انّی معک فی کل موطنٍ - نصرٌ من اللہ و فتح قریب - (۴) وھم من بعد غلبھم سیُغلبون - (۵) و امّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک (۶) نصرکم اللہ نصراً مؤزّرا (۷) انّی معک یا ابراھیم

۱۸- جنوری ۱۹۰۸ء (۱) یہ پیشگوئی کی آخری حد ہے (۲) وہ وعدہ ٹلیگا نہیں جبتک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہ نہ جائیں - ۱۹- جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک ھٰذہ - ۵- جنوری ۱۹۰۸ء - مرحوم امیر خان کی بیوہ جس دن اس کا خاوند فوت ہوا ہے دیکھا کہ اس بیوہ کی پیشانی پر ۵ یا ۶ یا ۷ کا عدد لکھا ہوا ہے ہمنے وہ مٹا دیا اور اُسکی پیشانی پر ۶ کا عدد لکھدیا ہے - ۲۱- جنوری ۱۹۰۸ء ملعونین اینما ثقفوا اخذوا - (۲) ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ - ۲۶- جنوری ۱۹۰۸ء حرّقھما اللہ - (۲) قتلھما اللہ - (۳) میری فتح ہوئی (۴) انّا ارادوہ الیک (۵) انت منّی بمنزلۃ سمعی - ۲۸- جنوری ۱۹۰۸ء - انّی معک یا ابراھیم - (۲) از خدا یا بند مردانِ خدا -

---

ضروری ہدایات

تمام احباب جو خط و کتابت کرنا چاہیں وہ ان ہدایات کو مد نظر رکھیں -

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جو بھیجا جاوے وہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے - مگر لنگر خانہ کا روپیہ براہ راست حضرت اقدس کے نام بھیجا جاوے لیکن اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیدیں -

(۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری تفصیل کہ روپیہ کن کن اغراض کیلیے ہے دینی چاہیئے اگر تفصیل لمبی ہو تو علیحدہ خط میں دیں -

(۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو ایسی رسید نہ پہنچے اسے اپنی رقم کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیئے -

نوٹ ۴ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاوے گی -

(۴) جو رقم دستی دفتر محاسب میں دیجاوے اسکی ایک کچی رسید مہر کی دستخطی دیجاویگی اور اسکے بعد رسید باضابطہ پہنچیگی -

(۵) تمام مدات کے کھاتے دفتر محاسب میں رہینگے - اور جو حساب کتاب میگزین کے چندہ یا کسی دوسرے چندہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ سب دفتر محاسب سے دریافت کریں -

(۶) سوائے حساب کتاب مالی کے باقی خط و کتابت ذیل کے پتوں پر ہونی چاہیئے - میگزین اور بک ڈپو کے متعلق مینیجر میگزین سے مدرسہ اور بورڈنگ کے متعلق ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے - مقبرہ کے متعلق افسر مقبرہ سے - مساکین یتامیٰ کے متعلق افسر صیغہ صدقات سے - دیگر امور عامہ میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے - (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح کے بارہ میں قرآنی فیصلہ

۹- خلق اور احیائے موتے

سلب امراض مسیح کی خصوصیت نہیں

گذشتہ اشاعت میں ہم ڈاکٹر چتو پادھیا کی پیشکردہ آٹھ مزعومہ خصوصیتوں میں سے چار پر جن کا ہونا وہ مسیح میں بیان کرتے ہیں بحث کر چکے ہیں۔ اور باقی چار پر اس رسالہ میں بحث کریں گے۔ ان میں سب سے اول یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں خلق کرنے اور مردوں کو زندہ کرنیکی قدرت تھی۔ اور اس بات پر انہوں نے بہت زور دیا ہے بلکہ اسی اثنا میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح کے بیماروں کو شفا دینے کے معجزات میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہو اور ایک شخص اپولونیس (آف ٹیانا) کا نام بھی لیا ہے کہ وہ مسیح کا ہمعصر تھا اور وہ بھی بیماروں کو شفا دیا کرتا تھا۔ اور پھر یہ بھی مانا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی مختلف اقوام اور مذاہب اور مختلف ممالک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر ساتھ اس کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مٹی سے جاندار چیزوں کے پیدا کرنیکی اور مُردوں کو زندہ کرنیکی طاقت کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ تو سراسر غلط ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا سوائے مسیح کے کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ بہت سے فرقے اپنے

اپنے پیشواؤں کی طرف ایسے ہی معجزات منسوب کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں میں بعض اولیا کی طرف بھی ایسے معجزات منسوب کیے گئے ہیں۔ اور خود بائبل میں بعض انبیاءؑ کے ایسے ہی معجزات کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت مسیح کے معجزات انجیل میں ہیں لیکن چونکہ ہماری بحث عام طور پر معجزات مسیح کے متعلق نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر چتو پادھیا کے مضمون کا یہ مقصد تھا بلکہ وہ صرف قرآن شریف سے مسیح کی بعض خصوصیتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی اس مضمون میں صرف الفاظ قرآنی پر بحث کریں گے کہ آیا کہاں تک قرآن شریف نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسیح میں خلق کرنے کی قوت تھی اور مُردوں کو زندہ کرنے کی طاقت تھی اور کہ یہ اسی کی خصوصیات ہیں اور دوسرے کسی نبی میں یہ طاقت نہ تھی۔ علاوہ ازیں چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ بیماروں کو شفا دینا کوئی حضرت مسیح کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ معمولی انسان بھی اس قسم کے کرتب دکھا سکتے ہیں اور دکھاتے ہیں اس لیے ہم بالفعل صرف انہی دو معجزوں یعنی خلق طیور اور احیائے موتی پر ہی بحث کریں گے۔

خلق صرف خدا کا خاصہ ہے

قبل اصل بحث کے انہی دو معجزات پر روشنی ڈالنے کے لیے دو باتیں بطور تمہید بیان کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے کہ خلق کی صفت صرف خدا کا خاصہ ہے اور کسی دوسرے کو نبی ہو یا غیر نبی یہ صفت نہیں دی گئی۔ بلکہ صرف اس اکیلے خدا کا یہ خاصہ ہے جس کی ذات واحد ہے اور اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں خواہ مسیح ہو یا کوئی اور۔ اس کے متعلق میں قرآن کریم کے چند مقامات پیش کرتا ہوں۔ دیکھو سورۃ النحل آیت ۱۹ و ۲۰۔ والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون ۝ اموات غیر احیاء ۚ وما یشعرون ایان یبعثون۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو کفار

خدا کے سوا (حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں (نہ خالق) یہ مردے ہیں جن میں جان نہیں اور انکو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھا کھڑے کیے جاویں گے"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں میں جن کو سوائے خدا کے معبود سمجھ کر پکارا جاتا ہے حضرت مسیح بھی شامل ہیں جنکو حق میں نصاریٰ نے یہ غلو کیا کہ اُن کو خدا سمجھ کر پکارا اور قرآن شریف میں بصراحت موجود ہے کہ حضرت مسیح کو نصاریٰ نے خدا بنا لیا ہے۔ پس ایسے تمام معبودوں کے متعلق یہ فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کچھ خلق کرنیکی طاقت نہ تھی۔ اور نہ کبھی ان معبودوں نے کوئی چیز پیدا کرکے دکھائی اور نہ ہی خدا کے سوا دوسرا کوئی شخص کچھ خلق کر سکتا ہے۔ پس یہاں نہ صرف عام طور پر سوائے خدا کے کسی دوسرے میں خلق کی طاقت کے ہونیکا صاف طور پر انکار ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں ایسی طاقت کے ہونیکا انکار بھی ہے جن کو خدا بنایا گیا اور جن میں اول نمبر پر حضرت مسیح ہی ہیں۔ پھر سورۃ الرعد کی آیت ۱۶ کے آخری حصہ کو دیکھو۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القہار ترجمہ "یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسی کی سی مخلوقات پیدا کر رکھی ہے اور انکی نظر میں وہ مخلوقات مشتبہ ہوگئی ہے (یعنی یہ پتہ نہیں لگتا کہ خدا کی مخلوق کونسی ہے اور انکے معبودوں کی مخلوق کونسی) اے پیغمبر! تو انکو کہدے کہ ایک اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے (اس کے سوا کسی دوسرے نے کوئی چیز خلق نہیں کی) اور وہ ایک ہے اور سب پر غالب ہے"۔ اس آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کچھ مخلوق تو خدا کی ہو اور کچھ دوسروں کی اور اسطرح پر مخلوق مل جل گئی ہو۔ بلکہ ساری مخلوق ایک

خدا کی ہے اور جن لوگوں کو خدا کے سوا معبود بنایا جاتا ہے جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں انہوں نے کوئی خلق نہیں کی۔ پھر سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھل من خالق غیر اللہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جس نے کوئی چیز پیدا کی ہو؟ ہرگز نہیں۔

مُردے اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے

دوسرا اصل جسے ناظرین کو احیائے موتیٰ کا مضمون سمجھنے میں یاد رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ جس شخص پر موت قطعی طور پر وارد ہو چکی ہے اسکو پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا۔ اسپر قرآن کریم کی کئی آیات گواہ ہیں جن میں سے اسجگہ صرف تین بیان کیجاتی ہیں۔ اول سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ جہاں قرآن کریم فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا[2] فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمیً ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون۔ ترجمہ "اللہ تعالیٰ لوگوں کا قبض روح کرتا ہے موت کے وقت اور جو لوگ مرے نہیں انکے سوتے وقت (انکا قبض روح کیا جاتا ہے) پھر جن کی نسبت خدا موت کا حکم قطعی صادر کر چکا ہے انکو روکے رکھتا ہے (یعنی اس دنیا میں واپس نہیں بھیجتا) اور دوسری روحوں کو (یعنی جنکی نسبت موت کا حکم قطعی صادر نہیں ہوا جیسا سوتے ہوئے وغیرہ) انکو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیجدیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔ یہ بطور ایک اصل کے بیان کیا گیا ہے جس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جس کے متعلق خدا کے ہاں سے موت کا حکم قطعی صادر ہو چکا ہے۔ اس کی روح پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ بلکہ انکی واپسی کیلیے یوم البعث ہی مقرر ہے اسی کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۹۹ و ۱۰۰ جہاں فرماتا ہے۔ حتّیٰ اذا جاء احدھم الموت

قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ۔ ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ "جب ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے پھر ایک مرتبہ دنیا میں بھیج تاکہ جس کو مَیں نے ترک کیا ہے اس میں نیک عمل کروں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے (مگر چونکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اس لیے اس کی یہ درخواست منظور نہیں ہوسکتی) اور لوگوں کے مرے پیچھے عالم برزخ ہے جہاں انکو اس دن تک رہنا ہوگا جبکہ دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے جائیں گے یعنی روز قیامت تک"۔ ان آیات سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر کہ ایک دفعہ موت قطعی وارد ہوکر پھر ایک شخص کو اسی دنیا میں بھیجا جائے یہ سنت اللہ کے خلاف ہے اور کسی صورت میں خدائے تعالیٰ اس امر کو جائز نہیں رکھتا بلکہ مرنیکے بعد تمام روحوں کو عالم برزخ میں رہنا ہوتا ہے اور دوبارہ زندگی بھی ایک ہی دفعہ ہوگی جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن یا سب مردوں کے زندہ کیے جانے کا دن ہے۔

اب مَیں تیسری آیت کو جو اسی مضمون پر شاہد ہے بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون ۔ سورہ انبیاء۔ آیت ۹۵ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے انپر یہ امر قطعی طور پر ممنوع ہوچکا ہے (کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں لوٹ کر آئیں) وہ ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اس آیت میں بھی یہ امر قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ مُردوں کا اسی دنیا میں لوٹ کر آنا قطعی طور پر خدا کے ہاں ممنوع ہوچکا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اسی کو اپنی سنت قرار دیا ہے کہ جو مرچکے ہیں وہ ہرگز لوٹ کر اس دنیا میں نہ آئیں گے۔ اسجگہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اعتراضوں کا جو اس آیت کے معنوں پر وارد ہوسکتے ہیں۔ جواب دیا جاوے۔

سب سے پہلے اس کے بعد کی عبارت کو لینا چاہیئے کہ آیا اس سے انہی معنوں کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ مابعد کی تین آیتوں کے ساتھ ملا کر عبارت اسطرح پر ہے وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون ہ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ۔ واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا ۔ یویلنا قد کنا فی غفلۃ من ھٰذا بل کنا ظٰلمین ہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم ۔ انتم لھا واردون ہ

”اور جن بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے یہانتک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے جلدی نکلتے چلے آویں گے اور (قیامت کا) وعدہ برحق نزدیک آپہنچا تو کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہ بول اُٹھے ہائے ہماری کمبختی ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم قصوروار تھے۔ تم اور وہ سب جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو اور تم سب کو اس میں داخل ہونا ہوگا“ سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے معنے کرنے میں بعض لوگوں کو الفاظ حتّٰی اذا فتحت الخ سے دھوکہ لگتا ہے۔ حالانکہ جو شخص نظر غور سے ان آیات کو پڑھیگا وہ آسانی سے دیکھ لیگا کہ خلاصہ مضمون ان کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی سنت یوں رکھی ہے کہ جب وہ کسی بستی پر یعنی بستی کے رہنے والے انسانوں پر موت وارد کر دیتا ہے۔ تو پھر وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آتے جبتک کہ ایک وقت مقرر جس کو وعد الحق کہا گیا ہے نہ آپہنچے۔ یعنی قیامت کا دن جس دن کافر حیرت میں رہ جائیں گے کہ ہم تو ان باتوں کا انکار کرتے تھے مگر آخر یہ سب سچی نکلیں اور ہم قصوروار نکلے پھر اس دن انکو مع انکے معبودوں کے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف جب قیامت کا ذکر فرماتا ہے تو اس کے بعض آثار سے اس کا ذکر شروع کرتا ہے۔

اب قرب قیامت کے علامات میں یاجوج ماجوج کا خروج بھی ہے اس لیے قیامت کا ذکر اس علامت سے شروع کیا گیا ہے یعنی مُردوں کا واپس آنا ایک خاص وقت تک ممنوع ہے اور وہ وقت وہ ہے کہ اس کے قرب کے آثار میں یاجوج و ماجوج کا خروج ہے یعنی یاجوج و ماجوج ہر بلندی پر قابض ہو جائیں گے پھر وہ اصل وعدہ قیامت کا بھی آپہنچیگا جیساکہ الفاظ و اقترب الوعد الحق سے ظاہر ہے جبکہ ان مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے جو کافر اور منکر تھے انکو جہنم میں ڈالا جائیگا مگر نیکوں کو اس جہنم سے بچایا جائیگا جیساکہ الفاظ ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئك عنھا مبعدون سے ظاہر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی قانون کا اعادہ فرمایا ہے جسکا مذکور دوسری آیات میں بھی ہے کہ موت قطعی وارد ہونیکے بعد کسی کو اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا بلکہ مُردوں کے لیے دوبارہ اُٹھائے جانیکا وقت ایک ہی مقرر ہے اور وہ قیامت کا دن یا یوم البعث ہے جس کے آثار کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا امر غور طلب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ آیا لوٹ کر دنیا میں آنیکی ممانعت صرف ان مُردوں کے لیے ہے جن کی بستیاں جیساکہ آیت کا ظاہر مفہوم لیا جاتا ہے ہلاک کر دی گئیں یا تمام کے لیے۔ اس کے لیے چند باتیں یاد رکھنی چاہییں اول یہ کہ لفظ ہلاک کے مفہوم میں کوئی ایسا امر داخل نہیں جس سے نافرمانی کی وجہ سے مارا جانا مراد لیا جاسکے۔ اھلکہ کے معنی زبان عربی میں یہ ہیں کہ اسپر موت وارد کر دی۔ اس کا خاتمہ کر دیا۔ اسکی زندگی لے لی۔ اور یہ لفظ اگر مجرمین کے حق میں استعمال ہوا ہے تو نیکوں کے حق میں بھی ہوا ہے۔ جیساکہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا

فمن یجیر الکٰفرین من عذاب الیم۔ اے پیغمبر! کافروں سے کہدے کہ بتاؤ اگر اللہ مجھ کو اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کردے یا ہم پر رحم کرے تاہم کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا۔ اور سورہ مائدہ کے شروع شروع میں ہی فرمایا قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم و امہ ومن فی الارض جمیعًا۔ کہہ کس کا زور خدا کے آگے چلتا ہے جبکہ اس نے ارادہ کیا کہ مسیح ابن مریم اور انکی والدہ اور ان تمام لوگوں کو جو اسوقت روئے زمین پر تھے ہلاک کر دے۔ اور حضرت یوسفؑ کے متعلق ہی حتّی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولا۔ (المؤمن) یہانتک کہ جب حضرت یوسف ہلاک ہوگئے تو انکے مرنیکے پیچھے اسقدر تم لوگوں نے انکے حق میں غلو کیا کہ کہنے لگے اب انکے بعد کوئی اور رسول ہی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرا لفظ حل طلب قریۃ ہے۔ مگر اس کے سمجھنے میں بھی کوئی دِقّت نہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے اور خود ضمائر صاف بتارہی ہیں کہ بستی کے ہلاک کرنے سے مراد واقعی گھروں کا تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس بستی کے رہنے والوں کا ہلاک کرنا ہے۔ اور قریہ ہر ایک ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں انسان ملکر رہتے ہوں پس بستی سے مراد بستی کے رہنے والے یعنی انسان ہی لیے جائیں گے۔ پس ماحصل آیت کا یہ ہوا کہ جب ہم کسی انسان یا انسانوں کی زندگی کا خاتمہ کردیتے ہیں تو پھر انکو لوٹا کر اس دنیا میں نہیں بھیجتے۔

اسی معنی کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کو جو میں نیچے بیان کرتا ہوں بہت سے محدثین نے بیان کیا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے لیا ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا جابر مالی اراک منکسرا

قلت یا رسول اللہ استشھد ابی وترک عیالا و دینا فقال الا ابشرک
مالقی اللہ بہ اباک قلت بلی۔ قال ما کلم اللہ احدا قط الامن وراء
حجاب واحیا اباک فکلمہ کفاحا قال یا عبدی تمن علی اعطک
قال یارب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ قال الرب تعالیٰ قد سبق منی
انھم لا یرجعون۔ "جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا مجھے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے میں تمہیں غمگین پاتا ہوں
میں نے جواب دیا اے رسول خدا میرا باپ شہید ہو گیا اور پیچھے بڑا کنبہ اور قرضہ چھوڑ
گیا ہے آپ نے فرمایا کیا میں تجھ کو خوشخبری سناؤں کہ تیرے باپ کو خدا کے ہاں سے
کیا ملا ہے۔ میں نے عرض کیا فرمائیے۔ فرمایا نہیں کلام کی خدا نے کبھی کسی سے
مگر پردہ کے پیچھے سے اور خدا نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے دوبدو گفتگو
کی اور فرمایا اے میرے بندے کوئی خواہش کر میں تجھے تیری خواہش کے مطابق
عطا کروں گا۔ اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے زندہ کر دے تاکہ میں
دوسری مرتبہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ فرمایا رب تعالیٰ نے یہ وعدہ میری طرف
سے پہلے سے ہو چکا ہے کہ انھم لا یرجعون یعنی جو لوگ ایک دفعہ مر چکے
ہیں وہ دوسری دفعہ زندہ کر کے اسی دنیا میں نہ بھیجے جاویں گے"۔ گویا چونکہ
یہ خواہش سنت اللہ کے خلاف تھی اس لیے پوری نہ کی گئی۔

اب اس حدیث پر غور کرو کہ کس طرح صاف الفاظ میں اسی معنی کی تائید کرتی
ہے جو ہم نے آیت وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون کے
بیان کیے ہیں۔ اول یہ امر قابل غور ہے کہ اسجگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو
جو اس کی راہ میں شہید ہوا ہے یہ فرمایا کہ تم جو کچھ چاہو مانگو تمہیں دیا جائیگا وہ بندہ
یہ خواہش کرتا ہے کہ دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ خدا کی راہ میں دوبارہ اپنی جان دے

مگر یہ خواہش اسکی پوری نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری طرف سے پہلے وعدہ ہو چکا ہے جس کا خلاف کسی صورت میں نہیں ہو سکتا اور وہ وعدہ یہ ہے کہ مُردوں کو لوٹایا نہیں جائیگا یعنی انکو دوبارہ اس دنیا میں نہیں بھیجا جائیگا۔ اس قانون الٰہی کو اسقدر اٹل قرار دیا گیا ہے۔ کہ باوجود اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے خود فرمایا تھا کہ جو کچھ تم مانگو گے تمھیں دونگا مگر پھر بھی جب اس قانون کی خلاف خواہش کی گئی تو اسکے پورا کرنے سے انکار کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایسا قانون ہے جس میں کسی قسم کے استثنار کو بھی دخل نہیں۔ کیونکہ اگر اس قانون میں کوئی استثنار ہو سکتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے اسوقت کر دکھاتا جبکہ خود ہی وعدہ بھی کیا تھا کہ جو کچھ مانگو دیا جائیگا۔ مگر باوجود اس وعدہ کے استثنار نہ کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قانون مُردوں کو دوبارہ اس دنیا میں نہ بھیجنے کے متعلق ایسا اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی کسی استثنار کو اس میں روا نہیں رکھا چہ جائیکہ کسی نبی کے ذریعہ اس قانون کو بدلدیتا۔ یا اس کے خلاف جائز رکھتا۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جس وعدہ کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے اسکے الفاظ انھم لا یرجعون ہیں اور یہی الفاظ بعینہٖ اس آیت کے آخر میں بھی ہیں جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی وحرام علیٰ قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا یہی وعدہ یاد دلا رہا ہے۔ جو اس آیت میں کیا گیا ہے اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اس امر پر بحث نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے۔ وہ ہر امر پر قادر ہے۔ مگر جب وہ اپنا ایک قانون خود بیان فرما دے اور پھر اسکو ایسا اٹل بھی قرار دیدے کہ اس میں کسی قسم کے استثنار کو دخل نہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ خدا کے کلام کے معنی کرنے میں اس قانون کو زیر نظر رکھیں اور کوئی ایسے معنے کسی لفظ کے نہ کریں جو اس کے خلاف ہوں۔ مُردوں کو

واپس نہ بھیجنا اس کو خدا نے اپنا اٹل وعدہ اور اپنی لاتبدیل سنت قرار دیا ہے پس اس خدا کے وعدہ اور اس سنت اللہ کے خلاف خدا خود بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ کوئی نبی یا رسول ایسا کرے۔

معجزہ احیائے موتیٰ

اب حضرت مسیح کے معجزات کو لو چونکہ زیادہ زور عموماً مزعومہ احیائے موتیٰ پر دیا جاتا ہے اس لیے پہلے ہم اسی معجزہ کو لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کو مخاطب کر کے قرآن شریف میں فرماتا ہے واذ تحی الموتی باذنی جب تو مُردوں کو زندہ کرتا تھا میرے اذن سے۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا منشاء ان الفاظ سے یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت مر چکے تھے یا قبروں میں پڑ چکے تھے انکو حضرت مسیح زندہ کر کے دوبارہ دنیا میں لے آیا کرتے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نہایت صراحت سے اس بات کا انکار کرتا ہے کہ کوئی مُردہ دنیا میں واپس آئے اور جس پر قطعی حکم موت کا وارد ہو چکا ہے وہ دوبارہ زندہ کیا جائے۔ پس اس سے مراد کسی صورت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرتے تھے کیونکہ یہ امر خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری سنت کے خلاف ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ معنے صحیح نہیں تو کیا قرآن کریم میں مُردوں کا کسی اور طرح پر زندہ کیا جانا مذکور ہے؟ اور اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ آیا اگر ایسا ذکر قرآن میں ہے تو حضرت مسیح کا مُردوں کو زندہ کرنا ان معنوں کی رو سے مراد ہو سکتا ہے؟ ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نیچے الگ الگ دیتے ہیں۔

احیائے موتیٰ سے قرآن کریم کی اصطلاح میں روحانی احیاء مراد ہے

اول یہ امر ہے کہ قرآن کریم مردوں کے زندہ ہونے یا زندہ کرنے کو کن معنوں کی رو سے جائز ٹھہراتا ہے کیونکہ جسمانی مُردوں کا زندہ ہونا کلام الٰہی کی رو سے قطعی ممنوع ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ مردوں کا زندہ کرنا ان معنوں کی رو سے بیان کیا گیا ہے کہ ان میں روحانی زندگی پھونکی جائے۔ یہ آیات اس کثرت سے

قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں کہ سب کو بیان کرنا موجب طوالت ہوگا اس لیے صرف دو تین آیات پر اکتفا کیا جائیگا ورنہ دراصل بار بار قرآن شریف میں زمین کے مُردہ ہونے اور لوگوں کے مُردہ ہونیکا اور بذریعہ انبیائؑ اور سب سے بڑھکر بذریعہ خاتم النبیین افضل الرسل علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام انکے زندہ کیے جانیکا ذکر ہے۔ غور کرو ذیل کی آیات پر۔ سورۃ الانعام رکوع ۱۵ آیت ۱۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اومن کان میتاً فاحیینٰہ وجعلنالہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا۔ یعنی غور کرو کہ "ایک شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا" اب صاف ظاہر ہے کہ اسجگہ جس کو مُردہ کہا گیا ہے وہ اصلی یعنی جسمانی طور پر مردہ نہیں بلکہ روحانی مُردہ ہے جو بسبب اپنے کفر اور شرک اور بداعمالی کے مُردہ ہے۔ اور پھر اس مُردہ کے زندہ کرنیسے یہ مراد نہیں کہ کوئی جسمانی مُردہ تھا پھر اس کی لاش کفن کے اندر سے اُٹھ کھڑی ہوئی یا قبر میں سے باہر نکل آئی بلکہ زندہ کرنیسے مراد اسے روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے جس کی تفسیر خود ہی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یوں بیان فرما دی کہ اسکو زندہ کرنیسے مراد یہ ہے کہ اسے ایک نور عطا کر دیا جس سے وہ لوگوں کے درمیان ممتاز ہو گیا۔ اور پھر اس زندہ کیے ہوئے مُردہ کے مقابل پر ان لوگوں کو بیان فرمایا جو ابھی تک کفر اور شرک کے اندھیروں میں گھرے پڑے ہیں اور انسے نکل نہیں سکتے گویا وہ ابھی تک مُردہ ہی ہیں۔ پھر غور کرو سورۃ الانفال آیت ۲۴ پر جو تیسرے رکوع سورہ مذکور میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ مانو اللہ اور اس کے رسول کا حکم جب وہ رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہیں زندہ

کرے۔ اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احیائے موتیٰ کا ذکر ہے اور صاف فرمایا
کہ یہ رسول تمکو زندہ کرتا ہے۔ اسجگہ بھی زندہ کرنیسے مراد روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے
ان لوگوں کو جو روحانی طور پر مر چکے تھے نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرنا۔ اسجگہ
ہم ان لوگوں سے جو مسیح کے لیے ناحق کی خصوصیتیں پیدا کرتے ہیں یہ دریافت
کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ مسیح کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو اس سے جسمانی
مُردے مراد لیے جاویں اور آنحضرتؐ کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو روحانی؟ کیا
اس فرق کی کوئی وجہ قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتی ہے؟ یا انہوں نے مسیح کو ناحق
کا ایک بت بنا رکھا ہے کہ اس کے لیے معمولی الفاظ کے معنے کچھ اور ہو جاتے ہیں۔
کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ غور و تدبر سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ اندھی تقلید میں خدا
کے کلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ النحل کی آیات ۸۰ و ۸۱ پر غور کرنا
چاہیئے جو چھٹے رکوع سورۃ میں ہیں۔ انك لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء
اذا ولوا مدبرين ۰ وما انت بهدى العمى عن ضلالتهم ان تسمع الا من
يؤمن بأيتنا فهم مسلمون ۰۔ ترجمہ۔ "اے پیغمبر! تم مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا
سکتے ہو* ایسی حالت میں جبکہ وہ (مُردے اور بہرے) پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں
اور نہ ہی تم اندھوں کو انکی گمراہی سے روک کر راہ دکھا سکتے ہو۔ تم نہیں سنا سکتے
اپنی باتیں مگر انہی کو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہی مسلم ہیں۔" اب ہم
پوچھتے ہیں کہ یہاں کونسے مُردے اور بہرے اور اندھے مراد ہیں۔ کیا یہ جسمانی مردے
تھے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے اور کلام الٰہی کو سُنتے نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ وہی
مُردے تھے جن کو نبی کریم زندہ کر رہے تھے۔ اور ایسے مُردوں کو اپنے اپنے وقت
میں دوسرے انبیاءؑ نے بھی زندہ کیا اور حضرت مسیحؑ نے بھی ایسے ہی مُردوں کو زندہ
کیا۔ اسی کی تائید میں ایک اور مقام کا حوالہ دیکر بس کرتا ہوں۔ یہ ہیں سورہ فاطر

* اور نہ تم اپنی بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔

کی آیات ۱۹-۲۰-۲۱- انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوٰۃ ومن تزکّٰی فانما یتزکّٰی لنفسہٖ ط والی اللہ المصیر ہ ومایستوی الاعمٰی والبصیر ہ ولا الظلمٰت ولا النور ہ ولا الظل ولا الحرور ہ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ط ان اللہ یسمع من یشاء ج وما انت بمسمع من فی القبور- ترجمہ :"اے پیغمبر! تم تو انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز کو قایم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی کی راہ کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فایدہ کے لیے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ اندھیرا اور روشنی ایک سے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی چھاؤں اور دھوپ برابر ہو سکتے ہیں اور نہ زندے اور مُردے برابر ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سُناتا ہے اور تم ان لوگوں کو جو قبروں میں مدفون ہیں سُنا نہیں سکتے۔" اب ان تمام مثالوں میں مراد صرف مسلمان اور کافر لیے گئے ہیں۔ نہ کہ واقعی اندھے یا درحقیقت وہ مُردے جو قبروں میں پڑ چکے ہیں بلکہ جیسا کہ سیاق و سباق مضمون سے ظاہر ہے یہ سب نام روحانی صفات کو ظاہر کرنیوالے ہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہاں ان روحانی مُردوں کو نہ صرف مُردہ کا خطاب ہی دیا گیا ہے بلکہ انکو قبروں میں مدفون بتایا گیا ہے۔

روحانی اور جسمانی مُردوں کے احیاء میں امتیاز

اس تمام بحث سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ موتٰی سے مراد قرآن شریف نے صرف جسمانی مُردے ہی نہیں لیے بلکہ اکثر مقامات میں اور خصوصًا ان مقامات میں جہاں مردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے موتٰی سے مراد روحانی مُردے لیے ہیں خصوصًا اسلیے کہ ایسے مقامات میں جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے جسمانی مُردے مراد ہی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جسمانی مُردوں کا اس دنیا میں واپس آنا سنت اللہ کی رو سے ممنوع ہے

جسمانی مُردوں کی واپسی کے لیے خدا نے بار بار قرآن شریف میں ایک ہی دن کا ذکر فرمایا ہے جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن ہے جب سب مُردے اُٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بات ایسی صاف اور واضح ہے کہ جو شخص ادنیٰ تدبر سے بھی قرآن شریف کو پڑھیگا اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ایسا ہی یہ بات بھی قرآن شریف کے متفرق مقامات پر غور کرنیسے معلوم ہو جاتی ہے کہ جہاں انبیاء علیہم السلام کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے وہاں مراد روحانی نفخ ہے یعنی روحانی زندگی کا ان لوگوں میں پھونک دینا جو روحانی طور پر نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں میں داخل ہو چکے تھے۔ اور بہ سبب کفر اور شرک میں غرق ہونیکے انکی روحانی زندگی قطعاً معدوم ہو گئی تھی۔ پس کوئی شخص جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ کلام الٰہی میں دو قسم کے مُردوں کا ذکر ہے یعنی جسمانی مُردے اور روحانی مُردے۔ اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ موتیٰ یا اموات کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور پھر ان دو قسموں کے مُردوں کے احیاء کا بھی ذکر ہے۔ جسمانی مردوں کے احیاء کے لیے تو یوم قیامت مقرر کیا گیا ہے اور روحانی مُردوں کے احیاء کے لیے کسی نبی کی بعثت۔ جو ان میں روحانی زندگی پھونک دیتا ہے۔ اور یہ ایک صاف اور بین فرق ہے جس کو قرآن شریف نے ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ اکثر یہ فرماکر کہ زمین مُردہ تھی یہ بڑھایا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے از سرِ نو اپنی رحمت کی بارش سے اسے زندہ کیا جس سے مراد روحانی زندگی کا بہ برکت بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمانا ہے۔ قرآن شریف اور اس مسیح کے معجزات کے تذکرہ کو سمجھنے کے لیے اس مضبوط امتیاز کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس امتیاز کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے ہی بعض لوگوں نے الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطیاں اور ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس امتیاز کے ساتھ ہم کسی خاص موقع پر جہاں مُردوں کے زندہ کرنیکا ذکر ہے یہ بتا سکتے ہیں

کہ آیا وہاں مراد جسمانی مُردے ہیں یا روحانی مُردے۔

مسیحؑ کا احیاء دوسرے انبیاء کی قسم میں داخل ہے

۷ پس اس اصل کو ہاتھ میں لو اور اب دیکھو کہ حضرت مسیح کے مُردے زندہ کرنیکا ذکر جہاں قرآن شریف نے کیا ہے وہاں مراد جسمانی مُردوں کا زندہ کرنا ہے یا روحانی مُردوں کا۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف نے حضرت مسیح ابن مریم کو دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول قرار دیا ہے پس اس سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ انکا احیائے موتی بھی اسی قسم کا ہوگا جیسا دوسرے انبیاءؑ کا کیونکہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جب دوسرے انبیاءؑ کے مُردے زندہ کرنیسے مراد قرآن شریف میں روحانی مردوں میں روحانیت کا پھونکنا ہے تو مسیح کے مُردے زندہ کرنیسے بھی وہی مراد لی جانی چاہیئے۔ دوسری بات جو حضرت مسیح کے اس اعجاز کا فیصلہ کرتی ہے یہ ہے کہ جسمانی مردوں کا اس دنیا میں واپس آنا قرآن شریف نے ممنوع فرمایا ہے اور انکا واپس نہ آنا ایک ایسی سنت اللہ قرار دیا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہو سکتا۔ پس جیسا کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ ایسا ہی قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنیوالے کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ایسے معنے کرے جس سے قرآن شریف میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لیے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ اس اٹل قانون کو بیان کر کے کہ خدا ہرگز ہرگز مُردوں کو اس دنیا میں واپس بھیجا نہیں کرتا قرآن شریف یہ کلمہ اپنی تردید آپ نہ کر سکتا تھا کہ مسیحؑ نے جسمانی مُردے زندہ کر کے انکو واپس اس دنیا میں بھیجا تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں؟ کہ جس بات کو خدائے تعالیٰ اپنے لیے بھی جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ وہ اسکے اپنے وعدہ اور اپنی سنت کے خلاف ہے اسے مسیح کے لیے جائز قرار دے بلکہ اسکا بار بار تذکرہ کرے۔ پس دونوں قرینوں سے جن میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب قرآن شریف مسیحؑ کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد روحانی مُردے لیتا ہے اور انہی روحانی مردوں میں زندگی پھونکے جانیکا

ذکر کرتا ہے۔

احیائے موتیٰ کے معجزہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے میں اسی آیت میں سے ایک اور بات بھی پیش کرتا ہوں جس میں مسیح کے احیائے موتیٰ کا ذکر ہے مگر یہ ایک ایسی بات ہے جو مسیح کے دوسرے معجزات مثلاً خلق طیور اور سلب امراض کے معجزات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جہاں دو موقعوں پر ان معجزات کا ذکر ہے وہاں ان کو خدا کی طرف سے ایک انعام اور برکت بیان کیا گیا ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ خدائے تعالیٰ کے دیگر انعاموں کا بھی ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیك و علیٰ والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المهد و کهلاً و اذ علمتك الکتٰب و الحکمة و التورٰیة و الانجیل و اذ تخلق من الطین کهیئة الطیر باذنی فتنفخ فیها فتکون طیرا باذنی و تبرئ الاکمه و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتیٰ باذنی۔ "جب فرمائیگا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے میری نعمت کو جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئی یاد کر جب مینے تجھ کو روح القدس سے مدد دی تو باتیں کرتا تھا لوگوں سے چھوٹی عمر میں اور بڑا ہو کر اور جب سکھائی مینے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب بناتا تھا تو مٹی سے میرے حکم سے پرند کی صورت پھر پھونکتا تھا اس میں پھر ہو جاتا تھا وہ اڑنیوالا میرے اذن سے اور جب تو شفا دیتا تھا اندھے اور مبروص کو میرے اذن سے اور جب زندہ کرتا تھا تو مُردوں کو میرے اذن سے" اب اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح پر اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جن میں علاوہ معجزات زیر بحث کے روح القدس سے تائید کرنا اور کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کا سکھانا ہے۔ اور گویا انہی باتوں کے لیے بطور نتیجہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت مسیح سے مُردوں کا زندہ کرنا

اور ایسے دوسرے کام ظاہر ہونے لگے۔ گویا روح القدس کی تائید کا اور کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کے سکھانیکا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت مسیح کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہونے لگے۔ اب جسمانی مُردوں کو زندہ کرنیکے قائلین خود اس بات کو سوچ لیں کہ آیا یہ جوڑ ملتا ہے۔ یعنی تائید روح القدس اور کتاب اور حکمت سکھانے کا یہی نتیجہ ہے کہ چند بیماروں کو شفا دیدی اور مٹی کے چند پرند بناکر انکا پرواز دکھادیا اور چند مرے ہوئے آدمیوں کو زندہ کر دکھایا۔ روح القدس کی تائید اور خدا کی طرف سے کتاب اور حکمت کی تعلیم کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپسے وہ روحانی زندگی کا نفخ صادر ہوتا جو دوسرے انبیائؑ سے ہوتا رہا نہ یہ کہ چند مُردے زندہ کردیئے یا چند بیماروں کو اچھا کردیا جسکا تعلق روحانیت سے کچھ بھی نہیں۔ قرینہ صاف بتا رہا ہے کہ اس ذکر کے بعد کہ حضرت مسیح پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ روح القدس سے اسکو تائید دیگئی اور کتاب اور حکمت خود خدا نے اسے سکھائی یہ ذکر ہونا چاہیئے کہ اس فضل الٰہی سے آپکے اندر وہ قوتِ قدسی اور وہ روحانیت کی طاقت پیدا ہوگئی جس سے آپنے روحانی مُردوں کو زندہ کردیا اور روحانی بیماروں کو بالکل چنگا کردیا نہ یہ کہ ایک بالکل بے تعلق ذکر شروع ہوجائے کہ روح القدس کی تائید کے بعد اور کتاب اور حکمت کی منجانب اللہ تعلیم کے بعد حضرت مسیح کے ہاتھ سے ایک دو جسمانی بیماریاں اچھی ہونے لگیں اور چند مُردے پھر زندہ ہوکر اسی فاسقانہ زندگانی میں مبتلا ہوگئے جس پر انکا خاتمہ ہوا تھا۔ یہ ایک مسلم امر ہے جس سے نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی عیسائیوں کو انکار ہوسکتا ہے کہ جسمانی بیماریوں سے شفا دینا معجزہ نہیں کہلاسکتا ایسے لوگ ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں پیدا ہوتے رہے ہیں جو بذریعہ توجہ سلب امراض کرتے رہے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح کے ہمعصر ایسے بہتسے موجود تھے جو بیماریوں سے اسی طرح شفا دیتے تھے یہ اقرار اناجیل میں بھی موجود ہے اور تمام عیسائیوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے

حتی کہ ڈاکٹر چیتو پادھیا کو بھی یہ ماننا پڑا ہے۔ پس ایک ایسے عظیم الشان انعام کا ذکر کر کے کہ ہم نے روح القدس سے حضرت مسیح کو مدد دی اور اسے کتاب اور حکمت سکھائی یہ ذکر موزون نہ تھا کہ ہمارے انعاموں میں سے ایک بڑا بھاری انعام اور حضرت مسیح کا بھاری معجزہ انکے ذریعہ سے بعض بیماروں کا اچھا ہونا تھا۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل جن میں سلب امراض کے مشاق بہت لوگ موجود تھے کیونکر سلب امراض کو نبوت یا مسیحیت کا ثبوت سمجھ سکتے تھے جو حضرت مسیح انکے سامنے اسے فخر سے بیان کرتے حالانکہ فریسیوں کے شاگرد ایسے ہی کمالات رکھتے تھے جیسا کہ انجیل متی ۱۲ باب ۲۷ آیت اور لوقا ۱۱ باب ۱۹ آیت سے ثابت ہوتا ہے اور خود حواری اسی کمال کی ایک ایسے شخص میں موجود ہونیکی شہادت دیتے ہیں جو حضرت مسیح کی مریدی میں بھی کبھی داخل نہ ہوا تھا۔ متی ۹ باب ۳۸ - ۴۰ آیت - لوقا ۹ باب ۹ ۴ آیت۔ پس یہ بات کسی صورت میں قرین قیاس نہیں کہ ایک معمولی بات پر جو سلب امراض کے متعلق تھی اتنا زور دیا جاتا بلکہ جیسا کہ سیاق و سباق ہمارے صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ بڑا انعام الٰہی جس کا ذکر حضرت مسیح کر رہے ہیں روحانی بیماریوں سے شفا دینا۔ اور روحانی مردوں میں روح کا پھونکنا تھا۔ کیونکہ روح القدس کی تائید اور کتاب اور حکمت کی تعلیم اسی امر کی مقتضی ہیں کہ اس کے بعد آپکے ہاتھ سے لوگوں کو روحانی فایدہ پہنچتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انبیاء علیہم السلام کو روح کی تائید دینے سے یہ منشاء الٰہی ہوتا ہے کہ انکے ہاتھ سے چند بیماروں کو بعض امراض سے شفا ہو جاوے بلکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو جو سلسلۂ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں یہ ماننا پڑیگا کہ روح القدس کی تائید سے خدا کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ لوگ انبیاءؑ کے ذریعہ سے ہدایت پاویں۔ اور روحانی مُردوں میں روحانی زندگی پھونکی جاوے۔

پس قرآن کریم اور اناجیل کی متفقہ شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا

قابل ذکر معجزہ چند جسمانی بیماریوں کو اچھا کرنا نہ تھا بلکہ انکے اندر ایمان کی روح کا پھونکنا اور اُن روحانی امراض کا دُور کرنا تھا جو یہود کے اندر موجود چلی آتی تھیں کیونکہ وہ ابتک شریعت کے الفاظ کی تو پیروی کرتے تھے مگر اسکی اصل روح سے بالکل ناواقف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح کے معجزات سلب امراض جسطرح پر اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں ان سے ایک طالب حق کی طبیعت تسلی نہیں پاتی۔ مگر قرآن کریم نے بار بار اس امر کا ذکر کر کے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ روحانی لنگڑوں کو قُوّت گویائی دیں اور روحانی بہروں کو قُوّت شنوائی۔ روحانی اندھوں کو آنکھیں عنایت کریں اور روحانی مُردوں کے اندر ایک نئی زندگی پھونک دیں گویا اس بات کو صفائی سے بیان کر دیا ہے کہ جب یہ حضرت مسیح کے مردوں میں زندگی پھونکنے یا بیماروں کو شفا دینے کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد اسی قسم کی زندگی بخشنا اور اسی قسم کی شفا دینا ہے جو ایک نبی کی شان کے شایاں ہے جسے روح القدس کی تائید دیگئی ہو اور کتاب اور حکمت سکھائی گئی ہو۔ قرآن شریف میں کفار کو اتنی دفعہ بار بار مُردے اندھے گونگے بہرے کہا گیا ہے کہ جب کسی نبی کے متعلق ایسے بیماروں کو شفا دینے یا مُردوں میں روح پھونکنے کا ذکر ہو تو اس سے جسمانی بیماریاں یا جسمانی زندگی مراد لینا قرآن کریم سے قطعاً ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔

مٹی کے پرندوں میں نفخ کرنے سے کیا مراد ہے

اب ہم دوسرے معجزہ کو دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن شریف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح درحقیقت ایسے ہی پرند بنا کر ان میں روح پھونکا کرتے تھے جیسے ہم اُڑتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ یا اسکی تہ میں بھی حقیقت کچھ اور ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق صرف خدا کی صفت ہے اور دوسرا اس میں کوئی شریک نہیں۔ پس لازماً ان الفاظ انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ کے کوئی ایسے معنی لینے پڑیں گے جو ان آیات کے مخالف نہ ہوں جنسے ثابت ہوتا ہے

کہ حقیقی خلق سوائے خدا کے کسی دوسرے کا کام نہیں۔ اس لیے اسکے معنے دو طرح سے ہم لے سکتے ہیں یا تو وہ معنی جو سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے درست معلوم ہوتے ہیں اور ایک نبی کی بلند شان کے شایاں ہیں یعنی جس طرح مُردے زندہ کرنے اور بیماریوں سے شفا دینے سے مراد روحانی مُردوں کو زندہ کرنا اور روحانی بیماریوں سے شفا دینا ہے اسی طرح اس معجزہ کے پیچھے بھی ایک روحانی حقیقت ہے کیونکہ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مٹی کی شکلوں میں حضرت مسیح کے نفخ کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ مٹی کی شکلیں پرواز کرنے لگتی تھیں۔ اب ایک انسان جو روحانیت سے خالی ہے وہ گویا ایک مٹی کی شکل ہے اور ایک نبی کے نفخ سے اس میں روحانیت یا پرواز کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زمین کی طرف جھکے رہنا یا زمین کے ساتھ لگے رہنا دراصل روحانی مُردگی ہے۔ اور جب انسان میں روحانیت آجاتی ہے تو اسکی روح اعلیٰ طبقوں میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ طیر سے مشابہت اسلیے دی کہ وہ بھی ہوا میں اُڑتا ہے۔ انسان کو طیر کی شکل میں بنانے سے مراد یہ ہے۔ کہ اس میں پرواز کی طاقت یعنی روحانیت حاصل کرنیکی طاقت تو ہے مگر جب تک خدا اپنے نبی کے ذریعہ سے اس میں نفخ روح نہ کرے تب تک اس طاقت سے وہ کوئی فایدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ خلق کے معنے اندازہ کرنیکے بھی ہیں۔

احیائے موتیٰ اور خلق طیور کے ایک اور معنے

اب ہم احیائے موتیٰ اور خلق طیور کے ایک اور معنے بیان کرتے ہیں جنکے رو سے ان معجزات کو جسمانی رنگ میں لیا جا سکتا ہے اور ان آیات سے تعارض بھی نہیں ہوتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلق کی صفت سوائے خدا کے کسی کو نہیں دی گئی اور کہ جنپر موت کا قطعی حکم وارد ہو جاتا ہے وہ پھر اس دنیا میں نہیں بھیجے جاتے پہلے اسجگہ بھی ہم احیائے موتیٰ کے سوال کو ہی لیتے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قبض روح دو طور پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو قضی علیہا الموت کے

ماتحت اور ایسی روح اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ اور دوسرے عارضی طور پر قبض روح جسکی مثال نیند بیان فرمائی۔ مگر نیند کے علاوہ بعض صورتیں اور بھی ایسی ہیں جنہیں قبض روح کیا جاتا ہے مگر چونکہ قطعی حکم موت کا وارد نہیں ہوتا اس لیے ایسی روح واپس بھیجدی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً بیہوشی وغیرہ میں۔ اور بعض صورتیں بیہوشی یا مرض کی ایسی ہوتی ہیں کہ ظاہر میں وہ موت ہی معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسی صورت میں قبض شدہ روح واپس ہو سکتی ہے اور چونکہ ایسے شخص کو ظاہر میں مردہ ہی کہا جائیگا اگرچہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسپر ابھی موت کا قطعی حکم وارد نہیں ہوا۔ پس ایسی صورت میں اگر ایک نبی کی دعا سے خدائے تعالیٰ ایسے مریض پر بجائے موت کا قطعی حکم وارد کرنیکے اسکی روح کو واپس بھیجدے تو اسکے قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔ اور احیائے موتیٰ بھی ایک رنگ میں جسمانی طور پر وقوع میں آجاتا ہے۔ پس یہی ایک صورت ہے جس میں حضرت مسیح یا کسی اور نبی کے جسمانی طور پر احیائے موتیٰ کا اعتقاد رکھا جا سکتا ہے۔ اور اناجیل کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے جس مُردہ کو زندہ کرنیکا قصہ لکھا ہے وہ کوئی اسی قسم کا مریض تھا۔ یوحنا کی انجیل کو الگ کر کے جس میں دوسری اناجیل سے بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے باقی اناجیل میں ایک ہی مردہ کے زندہ کیے جانیکا تذکرہ ہے جو متی ۹ میں ہے۔ یہ ایک سردار کی لڑکی تھی جو بیمار تھی اور لوگوں نے خیال کیا کہ وہ مرگئی ہے۔ حضرت مسیح جب وہاں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ واویلا مت کرو "لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے" اب یہ الفاظ اس قانون الٰہی کو بیان کرتے ہیں جو والتی لم تمت فی منامھا اور ویرسل الاخریٰ میں بیان ہوا ہے۔ اور حضرت مسیح نے بعینہٖ وہی لفظ نوم یا نیند ہی استعمال کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو احیائے موتیٰ یعنی مُردہ زندہ کرنیکی ایک مثال سمجھا جاتا ہے حالانکہ حضرت مسیح نے سنت اللہ کو مدنظر رکھکر اس مریض کو مردہ

نہیں کہا بلکہ سو یا ہوا کہا کیونکہ جبتک قطعی موت کا حکم وارد ہو جائے وہ زندہ نہ ہو سکتا تھا۔ انہی معنوں میں اگر حضرت مسیح کے ہاتھ سے کچھ اور مُردے بھی زندہ ہوئے ہوں تو ہمیں انکے تسلیم کرنیسے انکار نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی بظاہر ایک موت کی صورت ہی ہوتی ہے اگرچہ حقیقی موت نہیں ہوتی اور اسطرح پر سنت اللہ کا خلاف بھی نہیں ہوتا۔ مگر ایسا احیائے موتیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعا سے ہوتا رہا ہے اور اس میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے بہت بڑھکر قابل ذکر حضرت مسیح کا روحانی احیائے موتیٰ ہے اور جہانتک تدبر کیا جاوے گا اسی احیائے موتیٰ کا تذکرہ قرآن کریم میں معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر بیماریوں سے شفا دینے کے معجزہ کے ظاہری اور موٹے معنے لیے جاویں یعنی امراض جسمانی سے شفا دینے کے تو اس کے سمجھنے میں کچھ دقت نہیں ہاں اسطرح حضرت مسیح کی وہ عظمت ثابت نہیں ہوتی جو اس حالت میں ہوتی ہے جب اس سے مراد روحانی بیماریوں سے شفا دینے کے معنے لیے جاویں۔ بعینہٖ یہی صورت طیور میں نفخ کی ہے۔ اگر اسکے ظاہری معنے بھی لیے جاویں تو بھی اس سے زیادہ کچھ مراد نہیں ہو سکتا کہ جو شکلیں پرندوں کی شکلوں جیسی حضرت مسیح بناتے تھے وہ ایک قلیل عرصہ کے لیے پرواز کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ کیونکہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ واقعی زندہ پرندہ ہو جاتے تھے کیا وجہ کہ اس سے نہ صرف حضرت مسیح میں خلق کی طاقت ماننی پڑتی ہے بلکہ تشابہ فی الخلق ہوتا ہے جسکا قرآن کریم صراحت سے انکار کر رہا ہے۔ قرآن کریم سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان شکلوں میں جان پڑجاتی تھی صرف اسقدر ہے کہ حضرت مسیح ان میں نفخ کرتے تھے۔ بہرحال اس بات کے ماننے کے لیے کوئی دلیل ہمیں قرآن شریف سے نہیں ملتی کہ حضرت مسیح

جانوروں کو پیدا کرتے تھے یا ان میں جان ڈالتے تھے۔ خلق کے معنے صرف بنانیکے بھی ہیں اور اسجگہ تو خلق کے ساتھ کسی زندہ چیز کا نام نہیں بلکہ صاف طور پر لکھا ہے انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر یعنی مٹی لیکر پرند کی صورت کی سی ایک چیز بناتے تھے۔ پس یہانتک تو اس فعل میں کوئی اعجاز نہیں۔ کیونکہ مٹی سے پرند کی صورت بنانا کوئی اعجازی رنگ اپنے اندر نہیں رکھتا اسطرح پر خلق طیور اور احیائے موتیٰ کے معجزات سے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے بہت بڑے بڑے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت مذکور ہیں۔

۱۰ حضرت مسیح پر ایمان لانے کی حقیقت

دسویں خصوصیت حضرت مسیح کی یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن شریف کی رو سے ہر ایک فرد بشر اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح کے خداوند اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں آیت وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہٖ قبل موتہٖ پیش کی گئی ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں اول تو یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہودی عیسائی اور مسلمان ہیں اور پھر ان تینوں قوموں سے مراد کل دنیا لے لی گئی ہے۔ اور ایمان لانے کے معنے یہ کیے گئے ہیں کہ اس کے خدا اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لائیں گے۔ یہ دونوں غلطیاں ایسی موٹی ہیں کہ ایک بچہ بھی ڈاکٹر صاحب کی اس ناواقفیت پر ہنسے گا۔ اہل کتاب سے اسجگہ مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ جیساکہ آگے اور پیچھے کی آیات کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اس موقع پر قرآن شریف یہود کو ملزم کر رہا ہے جیساکہ کہتا ہے وبکفرھم وقولھم علیٰ مریم بھتانا عظیما۔ وقولھم انا قتلنا المسیح الخ ...... جو آیت زیر بحث سے پہلی آیت ہے اور ایسا ہی اس کے معًا بعد ہے فبظلم من الذین ھادوا۔ پس

اہل کتاب میں نہ مسلمان شامل ہیں نہ اس سے کُل دنیا مراد ہے بلکہ یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ ایسا ہی ایمان لانے سے یہ مراد سمجھنا کہ اسکو خدا مان لیں گے سخت جہالت ہے۔ ایک نبی پر ایمان لانا اسکو نبی مان لینے کے ہم معنی ہے نہ یہ کہ اُسے خدا مان لینا۔ ایسا ہی قرآن پر ایمان لانے یا توریت انجیل پر ایمان لانیسے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ ان کتابوں کو خدا اور نجات دہندہ مان لیا جاوے بلکہ یہ کہ انکی اصل حقیقت کو مان لیا جاوے یعنی اس بات کو کہ وہ خدا کا کلام ہیں۔ پس جب قرآن شریف بار بار زور دے رہا ہے کہ حضرت مسیح صرف ایک رسول ہیں اور خدا ہرگز نہیں ہیں تو اس سے بڑھکر جہالت کیا ہوگی کہ جب انپر ایمان لانیکا ذکر ہو تو اس سے مراد یہ لی جاوے کہ انکو خدا مان لیا جاوے۔ آیت کے معنے صاف ہیں کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی دونوں مسیح کے بارہ میں غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں مگر انکی موت سے پہلے عین اسوقت جب اس دنیا سے چلنے کو ہوتے ہیں اصل حقیقت انپر کھل جاتی ہے اور انکو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ افراط اور تفریط میں پڑے رہے اور کہ حضرت مسیح صرف ایک نبی تھے

۱۱ حضرت مسیح کا قیامت کے دن حکم ہونا

یہ گیارھویں خصوصیت بیان کی گئی ہے اور یہ استدلال الفاظ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا سے کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں علیھم میں ضمیر سے مراد کل دنیا لی گئی ہے حالانکہ ضمیر صرف اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے جنکا ذکر اوپر ہو رہا ہے اور وہ وہی یہود اور عیسائی ہیں۔ اور شہید کے معنے انصاف کنندہ حکم اور قاضی کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنے گواہ کے ہیں ہم حیران ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ابتک گواہ اور جج میں فرق معلوم نہیں۔ اور وہ گواہ کو جج بنا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کیسے دھوکوں میں مبتلا

ہیں۔ اور مسیح کو خدا بنانیکے لیے ان کو کیسی مضحکہ خیز کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ اگر اسی طرح معنے کرنے ہیں تو پھر اس آیت سے کہ اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علیٰ ھٰؤلآء شھیدا یہ نتیجہ نکالنا پڑیگا کہ قیامت کے دن ہر امت سے ایک الگ فیصلہ کرنیوالا ہوگا پھر بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔ ایک پڑھا ہوا آدمی جب جھوٹ کی حمایت کے لیے اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے تو عام عیسائیوں پر کیا افسوس ہے؟

۱۲۔ مسیح کی موت اور رفع

ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے اور پھر مرنے کے بعد خدا کی گود میں اُٹھا لیے گئے۔ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں حضرت مسیح کے صلیب پر مرجانیکو قرآن شریف نے قبول کیا ہے مگر آخری سورتوں میں جب گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا الگ مذہب قایم کر لیا تو پھر مسیح کی صلیب پر موت سے انکار کر دیا۔ یہ ہر دو دعاوی اس قسم کے ہیں جیسے کہ انسے پہلے۔ اور سیدھے سادے الفاظ سے اُلٹے معنے نکالنے میں ڈاکٹر صاحب نے کمال دکھایا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے کہ والسلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مر کر تیسرے دن اُٹھائے گئے۔ اور پھر یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الیّ سے بھی یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں مسیح کے صلیب پر مرجانیکا اقرار ہے ہم حیران ہیں کہ آیا ڈاکٹر صاحب نے کسی نشہ میں یہ مضمون لکھا ہے ایک ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی بیہودہ گوئی سے اپنے کلام کو کم وقعت کرنیسے ڈرجاتا ہے موت کے معنے صلیب پر مرنیکے کس لغت میں ہیں اور متوفی کے معنے صلیب پر مارنے کے کونسی ڈکشنری میں لکھے ہوئے ہیں۔

اور اس لغت دانی پر مسلمان مفسرین پر ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنیکی سوجھی ہے۔
موت اور توفّی کے الفاظ کے استعمال سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف
حضرت مسیح کی صلیب پر موت کا انکار کر رہا ہے اور معمولی موت سے انکو مار رہا ہے
کیونکہ متوفیك کے معنے ممیتك حتف انفك کے ہیں۔

رفع کے متعلق ہم پہلے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اسجگہ صرف اسقدر اور ذکر کر دینا
ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رافعك الی۔ متوفیك کے بعد ہے۔ پس رفع سے
مراد وہی رفع ہو سکتا ہے جو توفّی کے بعد ہوا اور یہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی
رو سے تمام صالحین کا رفع موت کے بعد ہوتا ہے پس اسی قسم کا رفع حضرت مسیح کا بھی
ہوا اور یہ رفع بھی حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

ہم نے ڈاکٹر چنتو پادھیا کے تمام دعاوی کی حقیقت کو کھولکر دکھا دیا ہے۔
قرآن شریف میں جن الفاظ میں حضرت مسیح کا ذکر کیا گیا ہے انسے انکی خدائی ثابت
نہیں ہوتی اور نہ ہی کہیں یہ کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں خدائی صفت حضرت مسیح
میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ برخلاف اسکے کھلے الفاظ میں انکا محض ایک رسول
دوسرے رسولوں کی طرح ہونا اور بشر ہونا بار بار بیان کیا گیا ہے اور انکی اور انکی
ماں کی بشریت کا ان پُر زور الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ کانا یاکلان الطعام
یعنی وہ بشر تھے جن کو بھوک لگتی تھی اور طعام کھایا کرتے تھے پس وہ تمام انسانی
کمزوریاں اپنے اندر رکھتے تھے۔

تثلیث اور مسیح کے بیٹا ہونیکا انکار جن پُر زور الفاظ میں قرآن شریف نے کیا ہے
انکے اسجگہ نقل کرنیکی ضرورت نہیں اور اسکا اقرار خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے۔
البتہ انکو ایک غلطی لگی ہے جسکا اظہار اسجگہ مناسب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں
کہ حضرت مسیح کے بیٹا ہونیسے جو قرآن شریف نے انکار کیا ہے اسکی اصل جڑھ یہ ہے کہ آنحضرتؐ

نے یہ سمجھا ہے کہ عیسائی مسیح کو خدا کا جسمانی بیٹا خیال کرتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف نے لفظ ولد کا ہی عیسائیوں کے اس عقیدہ کے متعلق ہمیشہ استعمال کیا ہے اور لفظ ابن کا استعمال نہیں کیا۔ یہ دعویٰ انکا بھی غلط ہے کیونکہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ اور اسکی اسی طرح تردید کرتا ہے جس طرح ولد کے لفظ کو استعمال کر کے اسکی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر عیسائی صاحبان مسیح کو ابن اللہ انہی معنوں میں کہتے جن معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے لیے پرانے عہدنامہ میں استعمال ہوا ہے تو انکو یہ حق پہنچتا تھا کہ کہتے کہ ہم اس لفظ کو مجازی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب وہ خود مسیح کے لیے اس لفظ کو خصوصیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باپ اور بیٹا ضرور ہے ایک ہی ذات ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سخت کفر کو پہنچتا ہے اور اسی لیے قرآن شریف نے اس کے متعلق ایسے الفاظ فرمائے کہ تکاد السموات یتفطرن منہ۔ مجازی طور پر تو یہ لفظ دوسرے انبیاء کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے اگر عیسائی صاحبان انہی معنوں میں اسکو حضرت مسیح کے لیے استعمال کریں تو مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں۔

بابی مذہب

بقیہ دعاوی بہاء اللہ

بابی مذہب کے مضامین کا سلسلہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہمنے اس موقع پر چھوڑا تھا جہاں بہاء اللہ کے دعاوی کا ذکر تھا۔ اسکے دعاوی کو اس حد تک ہم بیان کر چکے ہیں جہاں تک انکا عیسائی مذہب اور اسلام کا موعود ہونیکو تعلق تھا۔ اسی قسم کا دعویٰ اسکا یہود کے متعلق بھی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے آنیکی خبر توریت میں یہودیوں کو

بھی دی گئی ہے۔ اور میرا نام توریت میں یہوواہ رکھا گیا ہے چنانچہ بحر العرفان نام کتاب میں اسکے ایک مرید نے بہت سی مبہم عبارتیں یا ایسی عبارتیں جن میں خدائے تعالیٰ کے جلال کا ذکر ہے بہاء اللہ پر بعینہٖ اسی طرح چسپاں کی ہیں جس طرح عیسائی لوگ توریت کی عبارتوں کو حضرت مسیح پر لگایا کرتے ہیں۔

مگر ان تمام دعاوی سے بڑھکر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میرا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء ایک معنی میں اللہ تعالیٰ کے مظہر ہوتے ہیں مگر بہاء اللہ کے کا دعویٰ اس قسم کا مظہر ہونیکا نہیں بلکہ وہ صریح الفاظ میں اپنے آپ کو خدا کہتا اور یہی نام اپنے مریدوں کے مُنہ سے اپنے لیے پسند کرتا تھا۔ چنانچہ اسکی کتاب کو پڑھ لو یہی دعویٰ نظر آتا ہے۔ اس نے بار بار اپنے آپ کو خدا۔ خالق۔ الرحیم۔ العظیم۔ عالم الغیب۔ مالک یوم الدین۔ قابض الریاح وغیرہ مدعیانہ طور پر لکھا ہے۔ اور ہر ایک الٰہی صفت جو اسکی راہ میں آئی اس نے اسکو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے۔ اس نے دوسرے مذہبوں کے پابندوں کو ہی مشرک نہیں کہا بلکہ ان لوگوں کو بھی مشرک ہی کہا جو اس کے پیر بھائی تھے اور اس سے کسی وجہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ غرض اپنے مسائل کے رو سے اس نے اپنے آپ کو خدائے برحق ظاہر کیا ہے۔ اور اس لیے جو لوگ خدائے حقیقی کے ماننے والے ہیں اور اسکو خدا نہیں مانتے انکو اس نے مشرک کہا ہے۔ گویا بہاء اللہ کی الوہیت کا دعویٰ بابی مذہب کا اصل اصول ہے۔

بہاء اللہ کا دعوائے الوہیت کوئی ایسی بات نہیں جسکو ہم کھینچ تانکر ناحق اسکی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ یہ کھُلے طور پر اسکی عبارات سے ثابت ہے۔ اور اس کے علاوہ اس نے یہانتک ہی بس نہیں کی بلکہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیوں کو بھی اسی کے ثبوت میں اپنی طرف منسوب کرتا رہا۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں لکھا ہے کہ عہد نامہ قدیم یا

یہو واہ میرا ہی نام ہے۔ اب غور کرنیکا مقام ہے کہ یہ عبرانی لفظ صرف خدا ہی کا نام ہے اور کبھی کسی غیر اللہ پر مستعمل نہیں ہوا۔ جب بہار اللہ نے اس مقدس نام کو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے تو اب اسکے دعوے خدائی پر کونسا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ بیشک اس شخص نے اپنے آپ کو کھلے طور پر خدا ظاہر کیا اور خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت اپنے پر لگائی۔ اور الوہیت کا دعویٰ کرکے اس نے ایک ایسا بڑا کفر کا کام کیا ہے کہ جس سے بڑھکر انسان کفر کر ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی انجیلوں میں جو یسوع مسیح سے ایک تمثیل انگوروں کے باغ کے مالک کی لکھی ہے۔ وہ انگوروں کا مالک بھی بہار اللہ خود بنا یا اس کے مریدوں نے اسکو بنا دیا۔ اس تمثیل کی تشریح یہ کیگئی ہے کہ خدمتگاروں سے مراد اسرائیلی نبی تھے۔ اور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم نبیوں کی مہر تھے اور یسوع مسیح جو فرزند تھے وہ درحقیقت خدا کے فرزند تھے اور بہار اللہ صاحب انگوروں کے باغ کے مالک یعنی خود خدا تھے۔ پھر اس جرأت کا اسی جگہ خاتمہ نہیں بلکہ اور بھی بڑھکر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبوت اور فرزندیت کے دن گذر چکے اب وہ زمانہ آیا ہے کہ خود خدا آوے سو بہار اللہ کے جامہ میں خدا آیا ہے۔ پھر اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے میرے ظہور کا زمانہ دراصل وہ یوم قیامت ہے کہ جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ جن جن امور کا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں ظاہر ہونا قرآن شریف میں لکھا ہے وہ سب بہار اللہ کے حضور میں ظاہر ہو گئے۔ یہ بھی کھلے طور سے خدائی کا دعویٰ ہے۔ اس قسم کی عبارات اور دعاوی سے خود اسکی اپنی تصانیف لبریز ہیں اور اس کے علاوہ اسکے مریدوں کی تصانیف میں اور بھی کثرت سے ایسی باتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ کو جسکے یہ معنے ہیں کہ "اس (قیامت کے) دن کئی چہرے روشنی سے چمکتے اپنے مالک رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔"

بہاء اللہ پر چسپاں کر کے یہ لکھا ہے کہ یہاں رب سے مراد بہاء اللہ ہے۔

ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ بہاء اللہ کی تصانیف میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں وہ اپنے آپ ایک ایسا انسان بھی بیان کرتا ہے جسکو کسی دوسرے سرچشمہ سے ہدایت اور نور ملا ہے لیکن ایسے الفاظ عموماً ان تصانیف میں جو اس نے ابتدائی دعویٰ میں لکھی تھیں پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں بعض دوسرے موقعوں پر آئے ہیں وہاں کسی خاص مدعا سے آئے ہیں۔ اگر ہم اس کی کتاب الاقدس پڑھیں یا کسی دوسری کتاب کا مطالعہ کریں جس میں وہ الواح درج ہیں جو اس نے اپنے شاگردوں کے لیے لکھی ہیں تو انہیں بار بار لکھا ہے کہ "میں خدا ہوں جو تمام جہان کا بادشاہ۔ عالم الغیب۔ اور عالم السر۔ رب العالمین۔ اور سب سے بڑا ہے وغیرہ وغیرہ" گویا جہاں کہیں اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو اسپر ایمان لا چکے تھے یا جن سے امید ہو سکتی تھی کہ وہ اسپر ایمان لے آویں گے تو اس نے انکے سامنے انہیں مخاطب کر کے اپنے آپ کو ہمہ صفت موصوف خدا وحدہٗ لاشریک بیان کیا۔ یعنی اپنے دائرے کے اندر وہ خدا تھا۔ البتہ جب کہیں کسی ایسی جگہ مکتوب لکھنے کی ضرورت ہوتی جو اپنے دائرے سے باہر ہو تو وہاں اپنے آپ کو انسان ہی لکھتا۔ اسکی ایک مثال اسکا وہ مکتوب ہے جو شاہ ایران کو اسنے لکھا تھا جہاں سے سیاست کا خوف تھا اس میں لکھا ہے " اے شاہ زمین! اس غلام کی پکار سن۔ میں ایک غلام ہوں جو خدا پر اور اسکے نشانات پر ایمان رکھتا ہوں اور میں نے اپنی زندگی اسکی راہ میں وقف کر دی ہے..... میں لوگوں کو صرف اس خدا کی طرف دعوت کرتا ہوں جو تیرا بھی خدا ہے اور تمام عالمین کا بھی خدا ہے" پھر اسی مراسلت میں شاہ کا غصہ فرو کرنیکے لیے لکھتا ہے " اے سلطان! میں ایک معمولی انسان تھا اور سویا ہوا تھا۔ اور اس (خدا) نے مجھے علم دیا..... اور اسنے مجھے حکم دیا کہ میں آسمان

اور زمین کے درمیان ندا کروں۔"

اب اسکے ان الفاظ کا اُن الفاظ سے مقابلہ کرو جو اس نے اپنے مریدوں کے نام کی تحریرات میں لکھے جن میں لکھا ہے کہ "میں وہ ہوں جسکے کلام سے ہزاروں ابد پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا کرنیکا اختیار ہے۔" جو اسکی کتابوں میں بکثرت اور بار بار پائے جاتے ہیں۔

بہاراللہ اور انبیائے سابقین کے دعوے میں فرق پر بہاءاللہ کے ایک مرید نے ایک رسالہ میں مفصل بحث کی ہے اس میں لکھا ہے کہ "اس مظہر (بہاراللہ) کو دوسرے مظاہر (انبیاء) پر یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ لوگ یعنی انبیاء سابقین دو مقامات پر کھڑے ہوتے تھے۔ (یعنی انہیں ایک حصہ الوہیت ہوتی تھی اور ایک حصہ انسانیت) جب کبھی انپر ایسا حال طاری ہوتا کہ وہ اپنے آپ سے محو ہو جاتے اور اپنی ہستی کو فراموش کر دیتے اور اپنے وجود کو مقام فنا میں کامل طور پر پاتے تو بیساختہ بول اُٹھتے "انا اللہ" یعنی میں خدا ہوں۔ لیکن جب اس حالت سے نکل آتے اور اپنے آپ پر مطلع اور واقف ہو جاتے تو پھر کہتے میں انسان ہوں۔ لیکن یہ پُر نور مظہر (بہاراللہ) درحقیقت وہی خدا ہے جس نے انسان کے لباس میں ظہور کیا ہے ..... اسی لیے تو اس نے کہا ہے کہ دنیا میں میرے سوا کوئی نہیں۔ نقطہ (علی محمد) نے اسی لیے پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ وہ (بہاءاللہ) ہر حال میں کہتا رہے گا کہ تحقیق میں خدا ہوں کوئی خدا میرے سوا نہیں اور میں واحد لاشریک خدا عالم الغیوب والاسرار خدا ہوں ..... تمام مظاہر جو آجتک ظاہر ہوئے اور جو یوم قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے وہ سب ایک آئینہ کی طرح ہیں۔ اور ہر ایک اپنی قابلیت کے مطابق اس آفتاب حقیقت کے متعلق گویا ہوا اور ہو گا۔ لیکن یہ مظہر (بہاراللہ) خود وہ آفتاب ہے ...... اس لیے اس نے کہا ہے کہ توحید یہ ہے کہ تُو ایک کو ایک سمجھ

اور اسے تعدد سے بری جانے۔ نہ یہ کہ دو کو ایک جانے۔ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس مظہر حق (بہاء اللہ) اور اس غیب الغیب خدا کو جسے انسان دیکھ نہیں سکتا اس طریق سے ایک خیال کیا جائے کہ ایک کے افعال اور اوامر اور نواہی گویا دوسرے کے افعال اور اوامر اور نواہی سمجھے جائیں۔ اور اس سے جدائی اور یگانگت کا کوئی خیال باقی نہ رکھا جائے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جو آسمانوں اور زمین پر صرف ایک ہی کے لیے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

اسی خدائی کے دعوے کے برابر ہی بہاء اللہ کا دعویٰ عصمت کبریٰ ہے۔ اس دعوے کے متعلق وہ مختلف مقامات میں جنکو رسالہ مذکور کے مصنف نے ایک جگہ بیان کیا ہے یوں لکھتا ہے۔ لیس لمطلع الامر شریك فی العصمة الکبریٰ انه لمظهر یفعل مایشاء فی ملکوت الانشاء قد خص الله هٰذا المقام لنفسه وما قدر لاحد نصیب من هٰذا الشان العظیم المنیع۔ انها طراز نسجته انامل القدرة لنفسه تعالیٰ انه لا ینبغی لاحد الا لمن استویٰ علی عرش یفعل مایشاء من اقر واعترف بما رقم فی هٰذا الحین من قلم الاعلیٰ انه من اهل التوحید واصحاب التجرید۔ اور پھر لکھا ہے "عصمت کبریٰ مخصوص حق جل جلالہ است احدے دریں مقام با او شریک نہ" اور پھر لکھا ہے اما العصمة الکبریٰ لمن کان مقامه مقدسا عن الاوامر والنواهی و منزها عن الخطاء والنسیان انه نور لا تعقبه الظلمة وصواب لا یعتریه الخطاء لو یحکم علی الماء حکم الخمر وعلی السماء حکم الارض وعلی النور حکم النار حق لا ریب فیه ولیس لاحد ان یعترض علیه او یقول لم وبم والذی اعترض انه من المعرضین فی کتاب الله رب العالمین انه لا یسئل عما یفعل وکل عن کل یسئلون۔ خلاصہ ان عبارتوں کا یہ ہے کہ وہ اپنے لیے

عصمت کبریٰ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس مقام میں بہاء اللہ کا شریک دوسرے انبیاء میں سے کوئی نہیں۔ بلکہ یہ مقام خدا نے اپنے نفس کیلیے مخصوص کیا ہوا ہے۔ اور کسی دوسرے کیلیے اس مقام میں کسی طرح کا حصہ مقدر نہیں کیا گیا تحقیق یہ وہ حاشیہ ہے جو قدرت کے ہاتھوں سے صرف خدا کے لیئے بنا ہے اور یہ سوائے اسکے جو قدرت علی الاطلاق کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی دوسرے کو سزاوار نہیں۔ پھر آگے چلکر کہتا ہے "عصمت کبریٰ خاصہ خدائے ذوالجلال ہے اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں" پھر کہا ہے "عصمت کبریٰ اسکے لیے ہے جو تمام اوامر و نواہی سے بالاتر ہے اور غلطی اور نسیان سے پاک ہے کیونکہ وہ ایسا نور ہے جسکے بعد تاریکی نہیں۔ اور وہ حق ہے جسکے پیچھے دروغ نہیں۔ اگر ایسا شخص پانی کو شراب۔ آسمان کو زمین۔ نور کو دوزخ کہے تو بلا شبہ وہ سب سچ ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی اعتراض کرے کیونکہ وہ ایسا ہے کہ جو کچھ وہ کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا کہ کیوں ایسا کیا مگر دوسرے سبھی لوگوں سے تمام امور کی متعلق سوال کیا جاویگا۔

اب ان عبارات کے مطالعہ سے روشن ہے کہ یہاں خدا سے مراد بہاء اللہ ہی رکھا گیا ہے۔ اور عصمت کبریٰ جو خدا تعالیٰ کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہ بہاء اللہ ہی کی طرف منسوب کیگئی ہے۔ عصمت کبریٰ بابی مذہب کی خاص اصطلاح ہے جسکا ذکر ہم آگے چلکر کریں گے۔ اسی کتاب میں جس سے اوپر کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ "تمام انبیاء خدا سے وحی کے محتاج تھے اور اسی کے حکم کی تعمیل کے پابند تھے لیکن بہاء اللہ کو ان سب پر فوقیت تھی اسکو کسی کے حکم کی پابندی کی ضرورت نہ تھی وہ اپنی مرضی اور اپنے ہی ارادہ کا مالک اور متبع تھا۔ یعنی وہ خود خدا صاحب ارادہ تھا .... چونکہ مقدس (بہاء اللہ) کا وجود در حقیقت غیب کا وجود تھا اسلیے وہ کسی وجود کو

اپنے سے برتر خیال نہیں کرتا تھا۔ اور کسی شخص یا طاقت کو اپنے اوپر حکمران نہیں سمجھتا تھا۔ اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہ تھی۔"

بہائی سلسلہ میں عصمت کبریٰ کا مسئلہ بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عصمت کی صفت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف ہیں۔ اور اسلام میں انکی عصمت کا وسیع عقیدہ ہے۔ لیکن چونکہ بہاء اللہ اپنے آپ کو تمام نبیوں سے بڑا (بلکہ خدا) سمجھتا تھا اسلیے اسنے اپنے لیے ایک الگ عصمت تجویز کی۔ چنانچہ اپنی ایک تصنیف میں مسئلہ عصمت کبریٰ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے "جان لو اکہ عصمت کے بہت معنے اور بہت مرتبے ہیں۔ ایک معنے سے عصمت تو اس شخص کی مانی جاتی ہے جسکو خدا غلطیوں میں گرنیسے محفوظ رکھتا ہے۔ دوسرے معنوں میں معصوم وہ شخص کہلاتا ہے جسے خدا گناہوں اور نافرمانیوں اور گمراہیوں اور بدعقیدوں اور شرک وغیرہ اسی قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے بچاتا ہے۔ لیکن عصمت کبریٰ ایک ایسے شخص کا خاصہ ہے جو ایسے مرتبہ پر پہنچگیا ہو کہ اسے کسی امر و نہی کے ماننے اور اسپر عمل کرنیکی پابندی نہ رہی ہو۔ اور جو ہر قصور اور نسیان سے پاک کیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ ایک نور ہے جسکے پیچھے اندھیرا نہیں آتا۔ اور وہ ایک صواب ہے۔ جسکے ساتھ کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اگر ایسا آدمی پانی کو کہے کہ یہ شراب ہے، یا آسمان کو کہے کہ یہ زمین ہے یا نور کو کہے کہ یہ دوزخ ہے تو یہ سب کچھ سچ ہے اور اس میں کوئی شبہ و شک نہیں۔ اور کسی شخص کو حق نہیں کہ یہ سوال کرسکے کہ یہ کیوں ایسا ہے۔ اور خدائے مالک الارض کی کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی شخص کوئی اعتراض کریگا وہ ان لوگوں میں شمار کیا جائیگا جو صراط مستقیم سے روگردان ہوئے۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہی ایک ہے جو اپنے افعال اور اعمال کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوسکتا حالانکہ دوسرے تمام لوگوں سے بلا استثنا انکے افعال و اعمال کے

متعلق باز پرس ہو گی۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہ غیب کے آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہ علم ہے کہ اسکی جو مرضی ہو وہی کرے۔ اور اسکے ساتھ عظمت اور قدرت کی افواج ہیں۔ دوسرے تمام لوگوں پر یہ ذمہ واری ہے کہ وہ ان شرائع اور احکام کو جو انہیں دیئے گئے ہیں محکم پکڑیں اور انپر عمل کریں۔ اگر کوئی دوسرا ان احکام سے سرِ مو متجاوز ہو تو اسکے تمام عمل حبط اور ضایع ہو جاتے ہیں"

ہمارے ناظرین اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عصمت کبریٰ کا یہ نرالا مسئلہ سلسلہ بہائیہ میں کیسا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اسکی تشریح سے جو بہاء اللہ نے کی ہے اسکے اپنے قول و فعل کی ماہیت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ معمولی مفہوم عصمت سے تو یہ مراد ہے کہ اس انسان سے گناہ صادر نہ ہو۔ لیکن بہاء اللہ کے مذہب میں عصمت کبریٰ کے یہ معنے ہیں کہ صاحب عصمت کبریٰ عملاً و فعلاً و قولاً جو کچھ چاہے کرے پر کوئی اسکے کیے کو بنظر اعتراض نہ دیکھے نہ اسے گناہ کہے اور نہ اسپر اعتراض ہی کرے۔ اگر وہ علی الاعلان شراب نوشی کرے اور اپنے مریدوں کو کہے یہ پانی ہے جو مَیں نے پیا ہے تو مریدوں کو حق نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسکو مانیں۔ بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اسپر ایمان لائیں اور اپنی آنکھوں کی بصارت سے کام نہ لیں۔ یعنی اندھے بنکر جو کچھ وہ کہتا جائے مانتے چلے جائیں۔ صاحب عصمت کے ذمہ پر ایک فرض جوابدہی کا باقی رہتا ہے۔ لیکن صاحبِ عصمت کبریٰ ہر ایک قید اور پابندی سے آزاد خود مختار اپنے ارادوں کا آپ مالک ہے اور اسکے ذمہ کسی کا کوئی قرض نہیں بلکہ اسکا قرض دوسروں کے ذمہ ہے کہ وہ اسکے ہر ایک قول و فعل پر خواہ کیسا ہی صریح اعتراضوں کے قابل اور واقعات اور بصیرت کے خلاف کیوں نہو آنکھیں بند کرکے اسے مانتے چلے جائیں اور ایک حرف بھی چون و چرا کا منہ سے نہ نکالیں۔ عصمت کبریٰ اور معمولی عصمت یعنی بہاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق ہے جو بہاء اللہ نے بتایا ہے

اور جیسا اسکے مرید عامل اور معتقد ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بہاء اللہ کی عملی اور اخلاقی حالت کیسی تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عصمت کبریٰ کے مسئلہ کو جس طور پر اس نے بیان کیا ہے وہ ایک قابل نفرت عقیدہ اور اباحت کے دروازوں کو کھولنے والا ہے۔ ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ عصمت کبریٰ کا عقیدہ سکھلانیکی وجہ یہ تھی کہ تا وہ اپنے مریدوں پر اپنے عیوب کو بے عیبی اور اپنے قصوروں کو بے قصوری اور اپنے گناہوں کو بے گناہی ظاہر کرے اور نقادی کے مادہ کو انہیں دبا دیا جاوے۔ اس مسئلہ سے بہائی لوگونکو اسکے مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دینا بھی انکے نزدیک آسان کر دیا گیا۔ خصوصاً بابی فرقہ کے ان لوگوں کو تو وہ اچھی طرح جواب دے سکتے ہیں جو بہاء اللہ کے دعووں کو نہیں مانتے اور اسکے حالات پر اعتراض کرتے ہیں۔ انہیں یہی جواب ابتدا ہی میں دیدیا ہے کہ بہاء اللہ کی حالت پر کوئی حرف گیری ہو سکتی ہی نہیں۔

اس سلسلہ کے مضامین میں سے آخری مضمون باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے پیشکردہ ثبوت کے متعلق ہوگا جسکے بغیر یہ سلسلہ نامکمل رہتا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ رسالہ میں یہ مضمون درج ہوگا۔

مختصر نوٹ اور ریویو

قرآن کریم کی تفسیر کے اس تفسیر کے بتیس صفحے ماہوار ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ بطور ضمیمہ شایع ہوتے تھے۔ چنانچہ جنوری تک یہ اوراق خریداران ضمیمہ کی خدمت میں پہنچتے رہے ہیں۔ مگر مختلف وجوہات کے باعث جن میں بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ اوراق بغیر سرورق کے شایع ہوتے تھے صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ تفسیر القرآن بجائے اس کے کہ بطور ضمیمہ ماہوار شایع ہو سہ ماہی شایع ہوا کرے اور بجائے بتیس

صفحوں کے ساتھ صفحے شایع ہوں اور کتاب کے طور پر شایع ہوں تاکہ خریداران تفسیر کے طور پر اسے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ التزام کیا جاویگا کہ ہر سہ ماہی میں ایک ربع کی تفسیر پوری ہو جایا کرے اور اسطرح سال تمام میں ایک پارہ کی تفسیر خریداران کو پہنچ جاویگی۔ سہ ماہی تفسیر مارچ۔ جون۔ ستمبر اور دسمبر کی آخری تاریخوں کو شایع ہوا کرے گی۔

اسوقت چونکہ جنوری کا ضمیمہ شایع ہو چکا ہے اور نئے انتظام کے بموجب ۳۱ مارچ کو پہلا نمبر نکلنا چاہیئے تھا۔ لہذا یہ تجویز کی گئی ہے کہ مقررہ تاریخ پر دو ماہ کا رسالہ چالیس صفحوں کا ناظرین کو پہنچا دیا جاوے اسطرح جنوری کے نمبر کو ساتھ ملا کر یہ پہلے تین ماہ کا رسالہ ہو جاویگا اور اس کے بعد باقاعدہ سہ ماہی شایع ہو گا۔

اس تفسیر کے متعلق میں صرف اخبار بدر سے مندرجہ ذیل نوٹ نقل کر کے اپنے ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس سے ضرور فایدہ اُٹھاویں۔ نوٹ حسب ذیل ہے:
"خدائے تعالیٰ کے ان مبارک لوگوں میں سے جنہیں قرآن مجید میں تدبر کرنیکی توفیق دیجاتی ہے اور جنہیں فرقان حمید کے معانی سمجھنے کے لیے فہم سلیم دیا جاتا ہے میرے مخدوم و مکرم مولوی سرور شاہ صاحب بھی ہیں آپنے ایک تفسیر لکھنی شروع کی ہے جو حقایق و معارف کی پیاسی قوم کے لیے انشاء اللہ آب حیات کا کام دینے والی ہے یہ تفسیر ریویو کے ساتھ ماہوار اور اب سہ ماہی شایع ہوا کریگی اگرچہ مولنا موصوف کی یہ تفسیر سراپا نور علیٰ نور ہے مگر زمانہ حال کی ضرورتوں کے موافق دو باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یوں تو سب مسلمان کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید فصیح بلیغ ہے مگر بہت کم مفسرین ہیں جنہوں نے اسے ہر آیت میں ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں جو یہ لفظ اختیار کیے گئے ہیں اور اظہار مراد کے لیے یہ اسلوب کلام جو رکھا گیا ہے تو اس میں یہ حکمتیں اور یہ خوبیاں ہیں مولنا مکرم نے اس بات کو بہت

مدنظر رکھا ہے جسے پڑھ کر ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوئم ... مولویصاحب نے اس اعتراض کو (کہ قرآن کریم میں ربط نہیں) عملی رنگ میں اُٹھایا ہے اور ثابت کردیا ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت سے اور پہلا رکوع دوسرے رکوع سے ضرور ربط رکھتا ہے اسکے علاوہ بعض آیات کے معانی کے بیان میں وہ زور طبیعت دکھلایا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اُٹھتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے کہ بس یہی معنے تھے جو اس مرد خدا نے بیان کردیئے۔"

مسیح کی معجزانہ پیدائش اور موت تجلّی میں ایک عیسائی مضمون نگار لکھتا ہے کہ الفاظ قرآنی ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم حقیقی معنوں کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ "پہلی مرغی اور پہلی بکری بھی آدم کے مثل ہے" مگر مسیح اپنی پیدائش کے لحاظ سے "فرد" ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو بن باپ پیدا ہوتے ہیں مسیح "فرد" کیونکر ہوئے۔ قرآن شریف کی غرض مثال دینے سے یہی ہے کہ اس بات سے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے مسیح خدا نہیں ہوسکتے بلکہ بشر ہی رہے کیونکہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوا وہ بھی بشر تھا۔ بن باپ پیدا ہونے سے کوئی فضیلت نہیں ملجاتی۔ پھر لکھتا ہے کہ قرآن کے رو سے مسیح کی موت بھی معجزانہ تھی کیونکہ اس کے متعلق فرماتا ہے "یا عیسیٰ انی متوفیک اے عیسیٰ میں ہی تجھے موت دونگا۔ پس آپکی موت بھی معجزانہ ہوگئی"۔ یہ عجیب منطق ہے۔ کیا دوسروں کو خدا کے سوا کوئی اور موت دیتا ہے۔ ان الفاظ میں تو صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تُو قتل یا صلیب کی موت سے نہیں مریگا بلکہ خدا تجھے طبعی موت دیگا۔ اسی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام کا یہ عقیدہ" جو انی متوفیک میں ظاہر کیا گیا ہے "اسکے دوسرے عقاید کیلیے لازمی تھا کہ آپ ہنوز زندہ ہیں مُردہ نہیں"۔ یہ پہلی بات سے بھی عجیب تر ہے۔ مضمون نگار کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ قرآن کی رو سے مر نہیں سکیں گے اور

جو طبعی انحطاط انسان پر آتا ہے وہ انپر نہیں آئیگا اور اس لیے وہ طبعی طور پر نہ مریں گے بلکہ خدا ہی انکو موت دیگا۔ چنانچہ آگے لکھا ہے "وہ آپ دو ہزار برس گذر جانے پر بھی بُڈھے نہیں ہوئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے" مضمون نویس پر تو یہ افسوس ہے کہ قرآن کریم کی طرف ان عقاید کو منسوب کرتا ہے جو اس میں درج نہیں اور مسلمانوں پر یہ کہ قرآن کریم کے خلاف عقیدہ رکھکر مخالفین اسلام کو حملوں کے کیسے کیسے موقعے دیتے ہیں۔

مادّیت و دہریت کی تردید اس نام کا ایک رسالہ پرکاش دیوجی پرچارک براہمو دھرم نے شایع کیا ہے جو دراصل جیمس فریمین کلارک صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کے چار حصے یا چار باب ہیں "(۱) ہم کیونکر جانتے ہیں کہ ہم روح رکھتے ہیں (۲) ہم خدا میں کیوں یقین کرتے ہیں (۳) منکر خدا کی کائنات کی بابت تھیوری یعنی خیالات (۴) کمل اور ناکمل وحدانیت" ان چاروں باتوں پر عقلی رنگ میں بحث کی ہے۔ اس زمانہ میں جب ہر طرف مادّیت اور دہریت کا زور ہے ایسی کتاب کے مفید ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا اگرچہ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہیں گے کہ خدا کی ہستی کا اصلی ثبوت اور اسپر کامل یقین سوائے سلسلہ انبیاء کے ہرگز نہیں ملتا۔ عقلی دلایل ہمیں دائرہ احتمال سے آگے نہیں لے جاسکتیں۔

کتاب ایک سَو صفحے کی ہے کاغذ اور چھپائی عمدہ ہے۔ قیمت ۴ر دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے جن میں ایک کا نام روحانی گلدستہ ہے اور دوسرے کا ایشور ایک غیر فہیم مادّی طاقت ہے یا فہیم زندہ پرش۔ قیمت فی رسالہ ۱ر اسی پتہ پر یعنی براہمو دھرم پرچار آفس لاہور سے مل سکتے ہیں۔